Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

An Analytical Study of the Methodological Similarities and Differences in the Use of Secondary Sources in Fatawa Razawiyyah and Fatawa Darul Uloom Deoband"

فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ثانوی مصادر سے استدلال کے اصولی مشترکات و مفترقات کا تحقیقی جائزہ

Muhammad Asif
PhD Research Scholar, Department of Islamic Studies, University of Gujrat
m.asif@gaus.edu.pk
Dr Qazi Furqan Ahmad
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, University of Gujrat
qazi.furqan@uog.edu.pk

Abstract

This study examines the use of secondary sources in *Fatawa Razawiyyah* and *Fatawa Darul Uloom Deoband* within the framework of Hanafi jurisprudence. Using a qualitative and comparative approach, it analyzes selected legal issues in which both collections rely on *Istihsān*, *ʿUrf*, *Maslahah,Istishab,Sadd al-Dharāʾiʿ,Fath al-Dharāʾiʿ and Qaol-e Sahabi.*The study finds that both works share a common Hanafi foundation and employ similar secondary sources in Islamic legal reasoning. However, differences appear in the interpretation and application of these sources in certain issues. The analysis highlights that these differences are primarily methodological and reflect varying juristic judgments. The study concludes that both fatwa collections demonstrate the importance of secondary sources in the development of Islamic law and offer valuable insights into contemporary Hanafi legal methodology.

Keywords: *Fatawa Razawiyyah*, *Fatawa Darul Uloom Deoband,Istihsan,Urf*

تعارف

فقہ اسلامی کا حسن یہ ہے کہ اس میں ہر بدلتے دور کے نئے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ قرآن وحدیث بنیادی رہنمائی فراہم کرتے ہیں، لیکن عملی زندگی میں پیش آمدہ کئی مسائل سامنے آتے ہیں جن کو حل کرنے کے لئے فقہائے امت نے فقہ اسلامی کے ثانوی اصولی ذرائع سے استفادہ کیا۔ انہی ذرائع کو فقہ اسلامی میں ثانوی مصادر کہا جاتا ہے، جیسے، عرف، استحسان، استصحاب، مصالح مرسلہ اور سدّ الذرائع و فتح الذرائع وغیرہ۔ انہیں اصولوں نے اسلامک لاء کو ہر زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔

برصغیر پاک ہند میں اسلامی و فقہی خدمات کی تاریخ بڑی وسیع ہے۔ اس خطے میں مختلف علمی مکاتبِ فکر نے عوام کی دینی رہنمائی اور پیش آمدہ مسائل و پوچھے گئے سوالات کے لیے فتاویٰ کے عظیم ذخیرے مرتب کیے۔ ان میں فتاویٰ رضویہ (مولانا احمد رضا خان بریلویؒ) اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ) کو اس خطے میں اپنے حلقہ احباب میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ یہ فقہی ذخائر فقہ حنفی سے وابستہ ہونے کے باوجود بعض مسائل میں اپنے استدلال، ترجیحات اور اصولی تطبیقات میں مختلف دکھائی دیتے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کا اختلاف محض فروعی مسائل تک محدود نہیں بلکہ بعض اوقات ثانوی مصادر سے استدلال کا استعمال اور ترجیح میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔ مثلاً ایک مکتبہ فکر کسی مسئلے میں عرف یا سدّ الذرائع کو زیادہ اہمیت دیتا ہے، جبکہ دوسرا مکتبہ فکر فتح الذرائع یا کسی اور اصول کو ترجیح دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی فقہی بنیاد رکھنے کے باوجود بعض مسائل میں نتائج مختلف سامنے آتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں یہی کوشش کی گئی ہے کہ فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ثانوی مصادر سے استدلال کے اصولی مشترکات و مفترقات کا تحقیقی جائزہ لیا جائے، تاکہ دونوں مکاتبِ فکر کے علمی مناہج کو بہتر انداز میں سمجھا جاسکے اور فروعی اختلاف کے حقیقی اسباب کو سمجھ کر ہم آہنگی کا راستہ ہموار ہو سکے۔

ثانوی مصادر سے استدلال میں اصولی مشترکات

فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ثانوی مصادر (استحسان، عرف، استصحاب، مصالح مرسلہ، سدّ و فتح الذرائع، قول صحابی، شرائع من قبلنا) سے استدلال میں گہرے اصولی مشترکات ہیں۔ دونوں میں نصِ قطعی کو ہر ثانوی ماخذ پر مقدم رکھا جاتا ہے، اصولِ اربعہ کی ترتیب کو برقرار رکھا جاتا ہے، اور مقاصدِ شریعت کا تحفظ اولین ترجیح ہے۔ استحسان کو قوی تر دلیل کی طرف رجوع، عرف کو نص کے خلاف نہ ہونے کی صورت میں معتبر، استصحاب میں "الیقین لا یزول بالشک" کو بنیاد، اور مصالح مرسلہ کو مقاصدِ شریعت کے تابع رکھا گیا ہے۔ سدّ الذرائع اور فتح الذرائع کے اصول بھی دونوں میں یکساں طور پر تسلیم شدہ ہیں۔ یہ مشترکات فقہِ حنفی کی مشترکہ وراثت ہیں۔

نصوصِ قطعیہ کی بالادستی میں اشتراک

دونوں فتاویٰ جات میں سب سے پہلا اور بنیادی مشترک اصول یہ ہے کہ قرآن و سنت کی قطعی نصوص تمام استدلال کی بنیاد ہیں۔ ثانوی مصادر کسی بھی طرح نصِ قطعی کے مقابل میں حجت نہیں ہو سکتے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ

> "قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ ہی اصل مدارِ احکام ہیں، انہی سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اور ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی درحقیقت انہی نصوص کے فہم و استنباط کا نتیجہ ہیں۔"[1]

اس عبارت میں دو اہم نکات ہیں:

- نصوص قطعیہ (قرآن و حدیث صحیحہ) ہی احکام کی اصل بنیاد ہیں
- ائمہ مجتہدین کے اقوال خود مستقل حجت نہیں بلکہ انہی نصوص کے فہم کا نتیجہ ہیں۔ یہی اصول فتاویٰ رضویہ میں بھی کارفرما ہے۔

مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ:

---

[1] مفتی عزیز الرحمن عثمانی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، مکتبہ دارالعلوم دیوبند، یوپی، انڈیا، س ن، ج 1، ص 12

"جو امر بذاتِ خود مباح ہو، پھر اس کے ارتکاب سے حرام تک پہنچنے کا ذریعہ قائم ہو جائے یا فساد کا غالب ظن پیدا ہو، تو وہ شے حکمِ شرع میں مباح نہیں رہتی، اس لیے کہ شریعتِ مطہرہ کا مقصود مفاسد کا ازالہ و انسداد ہے، نہ یہ کہ ان کے اسباب کو باقی رکھا جائے۔"[2]

اگرچہ یہ سدّ الذرائع کے سلسلے میں ہے، لیکن اس میں موجود "شریعتِ مطہرہ کا مقصود" کا حوالہ دراصل نصوصِ قطعیہ کے مقاصد کی طرف اشارہ ہے۔ امام احمد رضا بھی اسی اصول پر قائم ہیں کہ شریعت کا مقصد نصوص کی روشنی میں طے ہوتا ہے۔ دونوں فتاویٰ جات میں نصِ قطعی کو کسی بھی ثانوی ماخذ پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی عرف، مصلحت، یا استحسان نصِ صریح کے خلاف ہو تو وہ باطل ہے۔

اصولِ اربعہ کی پیروی میں اشتراق

دونوں فقہی نظام اصولِ اربعہ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) کو استدلال کا پہلا درجہ دیتے ہیں اور ثانوی مصادر کو انہی کے تابع رکھتے ہیں۔ قیاس کو صرف اس وقت معتبر قرار دیا گیا ہے جب نص موجود نہ ہو اور قیاس کی علت منصوص ہو۔ یہی اصول استحسان، عرف اور دیگر ثانوی مصادر کے لیے بھی ہے۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ

"قولِ صحابی کی حجیت کے بارے میں مولانا احمد رضا خانؒ فرماتے ہیں: 'اگر نصِ صریح کسی مسئلے میں موجود نہ ہو، تو فہمِ صحابہؓ اور ان کے عملی فیصلوں پر اعتماد کرنا واجب ہے، کیونکہ وہ سلف صالحین ہیں اور اجتہاد میں رہنمائی کے قوی معیار ہیں۔"[3]

دونوں فتاویٰ جات میں یہ مشترک ہے کہ جب نص صریح موجود نہ ہو، تو دوسرے مصادر (قیاس یا قول صحابی) کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اصولِ اربعہ کی ترتیب اور ان کی بالادستی دونوں فتاویٰ جات میں یکساں ہے۔ ثانوی مصادر صرف اس صورت میں قابلِ استعمال ہیں جب اصولِ اربعہ سے کوئی واضح حکم حاصل نہ ہو سکے۔

مقاصدِ شریعت کے تحفظ میں اشتراک

دونوں فتاوی جات میں ثانوی مصادر کا استعمال ہمیشہ مقاصدِ شریعت (حفظ دین، نفس، عقل، نسل، مال) کے تحفظ کے لیے کیا جاتا ہے۔

"اعضائے انسانی کی خرید و فروخت یا بلا ضرورت ان کا نکالنا جائز نہیں، اس لیے کہ انسانی بدن کو شریعت میں حرمت حاصل ہے، البتہ اگر کسی کی جان بچانے کی ناگزیر صورت ہو اور دیگر شرائط پائی جائیں تو ضرورت کے درجے میں گنجائش دی جاسکتی ہے، مگر اس میں بھی احتیاط لازم ہے۔"[4]

---

[2] امام احمد رضا بریلوی، فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، 2006ء، ج24، ص452

[3] فتاویٰ رضویہ، ج18، ص76

[4] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج15، ص143

یہاں دو مقاصد کے درمیان توازن کیا گیا ہے:

- حفظِ نفس (جان بچانا)
- حرمتِ بدن (انسانی جسم کی عزت)۔ دونوں مقاصد شریعت کے اہم ہیں، اس لیے مصلحتِ مرسلہ کے تحت ضرورت کی حد تک اجازت دی گئی ہے۔

رفع حرج اور سہولت کے حصول میں اشتراک

دونوں فتاویٰ جات میں سہولت اور رفعِ حرج کو شریعت کا بنیادی مزاج قرار دیا گیا ہے، اور ثانوی مصادر کو اسی مزاج کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے۔ مفتی عزیز الرحمن فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں بیان کرتے ہیں کہ

"بیعانہ اگر باہمی رضامندی سے دیا جائے اور اس میں کسی فریق پر ظلم یا غرر لازم نہ آئے تو اس کی اصل صحت میں کوئی مانع نہیں، کیونکہ عرفِ جاری اس کو معتبر سمجھتا ہے، اور شریعت نے عرفِ صحیح کو ملحوظ رکھا ہے۔"[5]

یہاں قیاسِ ظاہر کے مقابلے میں عرفِ صحیح کو ترجیح دے کر لوگوں کی سہولت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خانؒ لکھتے ہیں کہ

"بیمار کو جب قیام شاق ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ یہی اس کے حق میں شرعاً بہتر ہے، کہ شریعت نے حرج کے ازالہ کے لیے یہ آسانی مقرر فرمائی ہے۔"[6]

یہاں قیاسِ ظاہر (کہ نماز میں قیام ہمیشہ ضروری ہے) کو استحسان کے ذریعے ترک کیا گیا ہے تاکہ بیمار پر مشقت نہ ہو۔ دونوں فتاوی جات میں ""رفعِ حرج"" اور ""آسانی"" کو شریعت کا بنیادی مزاج قرار دیا گیا ہے، اور ثانوی مصادر کو اسی مزاج کے تحت استعمال کیا جاتا ہے۔

استحسان سے استدلال میں اشتراک

استحسان کی اصل یہ ہے کہ کسی قیاس کے حکم سے ہٹ کر اس سے قوی تر قیاس، یا کسی نص، یا کسی ضرورت کی طرف رجوع کیا جائے۔ استحسان محض ذوقی یا شخصی رائے کا نام نہیں بلکہ کسی قوی تر دلیل کی طرف رجوع کرنا ہے۔ دونوں فتاوی جات میں استحسان کے استعمال کے لیے ایک واضح شرط یہ ہے کہ وہ نصِ قطعی کے خلاف نہ ہو۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے کہ

"نہیں، یہ جائز نہیں۔ آپ کو سود کی یہ رقم محتاج اور غریب لوگوں کو بغیر کسی ثواب کی نیت کے دے دینی چاہیے۔"

[7]

---

[5] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج6، ص148

[6] فتاویٰ رضویہ، ج7، ص85

[7] مفتی محمود حسن گنگوہی، فتاویٰ محمودیہ، ج17، ص291

یہاں استحسان (مصلحت کی بنا پر سودی رقم کو غریبوں میں تقسیم کرنا) اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس میں ثواب کی نیت نہ ہو۔ ورنہ یہ نصِ قطعی (سود کی حرمت) کے خلاف ہو گا۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ

"اگر قیاسِ ظاہر پر عمل کیا جائے تو بندگانِ خدا پر حرج لازم آئے اور معاملات میں فساد پیدا ہو، تو وہاں استحسان کو اختیار کرنا عینِ فقہ اور مقصودِ شریعت ہے، کہ شریعت مشقت کے لیے نہیں بلکہ سہولت کے لیے آئی ہے۔"[8]

استحسان صرف اس وقت جائز ہے جب اس سے حرج دور ہو اور نص کی خلاف ورزی نہ ہو۔ استحسان کی شرائط (عدمِ معارضتِ نص، رفعِ حرج، مصلحت) دونوں فتاوی جات میں یکساں ہیں۔ فتاویٰ دیوبند کا اصول یہ ہے کہ جہاں قیاس میں سختی ہو اور نص میں سہولت ہو، وہاں سہولت کو اختیار کیا جائے گا۔

عرف وعادت کے سے استدلال میں اشتراک

دونوں فتاویٰ جات میں عرف کو صرف اس وقت معتبر قرار دیا گیا ہے جب وہ نصِ شرعی کے خلاف نہ ہو۔ عرف صرف اس وقت معتبر ہے جب وہ نص اور قیاس کے خلاف نہ ہو۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ

"عرفِ صحیح جس پر اہلِ بلد کا عام تعامل ہو، اور جو نصِّ شرع کے مخالف نہ ہو، احکامِ شرعیہ کے فہم و نفاذ میں معتبر ہے، کہ شریعت لوگوں کے احوال اور عاداتِ جاریہ سے بے تعلق نہیں۔"[9]

یہاں بھی وہی شرط بیان کی گئی ہے: عرف صحیح معتبر ہے بشرطیکہ وہ نص کے خلاف نہ ہو۔ عرف کی حجیت کی بنیادی شرط (عدمِ معارضتِ نص) دونوں فقہی روایات میں یکساں ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ

"متروکہ زید... چوبیس سہام پر منقسم ہو کر تین سہم زوجہ، چار والدہ اور سترہ پسر کو ملیں گے... نانا یا اہلِ برادری کی رضامندی کوئی چیز نہیں کہ وہ غیر مالک ہیں۔"[10]

یہاں برادری کے عرف (کہ صرف بیٹے کو مال ملے) کو صریحاً رد کیا گیا ہے۔ میراث کے باب میں عرف کو کسی بھی صورت میں معتبر نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ یہاں نص قطعی موجود ہے۔ فتاویٰ دیوبند کا اصول یہ ہے کہ لباس میں مقامی عرف کو اس وقت تک معتبر رکھا جائے جب تک وہ شرعی حدود سے متصادم نہ ہو۔

استصحاب سے استدلال میں اشتراک

استصحاب کا مطلب ہے کہ کسی چیز کی اصل حالت اسی طرح برقرار رہے گی جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔ استصحاب کا بنیادی قاعدہ (اليقين لا يزول بالشك) اور اس کی تعریف دونوں فقہی روایات میں یکساں ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں مذکور ہے:

---

[8] فتاویٰ رضویہ، ج17، ص289-290

[9] فتاویٰ رضویہ، ج18، ص372

[10] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج18، ص267

"اگر کسی کپڑے یا بدن کی طہارت یقینی ہو اور بعد میں نجاست کا محض شک پیدا ہو تو اس شک کا اعتبار نہ ہو گا، اور اصل طہارت ہی کا حکم جاری رہے گا، کیونکہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔"[11]

یہ استصحابِ حال کی عملی مثال ہے۔ یقین (طہارت) کو شک (نجاست) سے زائل نہیں کیا جائے گا۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ

"اصل یہ ہے کہ جو شے جس حکمِ شرعی پر ثابت ہو، وہ اسی پر باقی رکھی جائے، جب تک اس کے زوال پر دلیلِ شرعیہ قائم نہ ہو، محض شک و وہم سے نہ طہارت جاتی ہے نہ حلت، نہ ملک زائل ہوتا ہے۔"[12]

دونوں میں یہ مشترک ہے کہ یقین کو شک سے زائل نہیں کیا جاسکتا۔ طہارت کے مسائل میں استصحاب کا اطلاق دونوں فقہی روایات میں یکساں ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ

"جس شخص کو وضو کے ٹوٹنے میں شک ہو اور اسے وضو کا ہونا یقینی ہو، وہ باوضو شمار کیا جائے گا، کیونکہ اصل بقاءِ طہارت ہے جب تک حدث کا یقین نہ ہو۔"[13]

یہ حدیثِ نبوی ﷺ "لا ینصرف حتی یسمع صوتاً أو یجد ریحاً" کی عملی تطبیق ہے۔ دونوں فقہی روایات میں وضو کے ٹوٹنے کے شک کو معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

مصالح مرسلہ سے استدلال میں اشتراک

دونوں فتاویٰ جات میں مصالح مرسلہ کو صرف اس وقت معتبر قرار دیا گیا ہے جب وہ مقاصدِ شریعت کے موافق ہو اور نص کے خلاف نہ ہو۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ

"اعضائے انسانی کی خرید و فروخت یا بلا ضرورت ان کا نکالنا جائز نہیں، اس لیے کہ انسانی بدن کو شریعت میں حرمت حاصل ہے، البتہ اگر کسی کی جان بچانے کی ناگزیر صورت ہو اور دیگر شرائط پائی جائیں تو ضرورت کے درجے میں گنجائش دی جاسکتی ہے، مگر اس میں بھی احتیاط لازم ہے۔"[14]

یہاں مصالح مرسلہ کے تحت دو مقاصد کے درمیان توازن کیا گیا ہے: حفظِ نفس اور حرمتِ بدن۔ اگرچہ فتاویٰ رضویہ میں اعضائے پیوند کاری کا ذکر موجود نہیں (کیونکہ یہ مولانا احمد رضا کے بعد کا مسئلہ ہے)، لیکن مصالح مرسلہ کے اصول کے تحت ان کا موقف بھی یہی ہوتا کہ جان بچانے کی ضرورت میں، شرائط کے ساتھ،

---

[11] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج2، ص97

[12] فتاویٰ رضویہ، ج1، ص120

[13] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج3، ص112

[14] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج15، ص143

اجازت دی جاسکتی ہے۔ مصالح مرسلہ کے تحت ضرورت اور مصلحت کے درمیان توازن قائم کرنا دونوں فقہی روایات میں مشترک ہے۔ فتاویٰ دیوبند کا اصول یہ ہے کہ مرض اور سفر میں روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ

"مریض اگر روزہ رکھنا اُس کی صحت کے لیے مضر ہو، تو اسے افطار کرنا جائز و مستحب ہے، اور بعد میں قضا کرنا فرض ہے، کہ یہ شریعت کی مصلحت اور انسانی حفاظت کے مطابق ہے۔"[15]

یہاں مصالح مرسلہ کے تحت حفظِ صحت کو مقدم رکھا گیا ہے۔ دونوں فتاویٰ جات میں بیمار اور مسافر کے لیے روزہ میں رخصت کو مصلحت اور رفعِ حرج کی بنا پر جائز رکھا گیا ہے۔ فتاویٰ دیوبند کا اصول یہ ہے کہ تعزیرات میں حاکم کو مصلحت کے تحت اختیار ہے۔

سدّ الذرائع سے استدلال میں اشتراک

دونوں فتاویٰ جات میں سدّ الذرائع کو شریعت کا ایک عظیم اصول قرار دیا گیا ہے۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے کہ

"مسلمانوں کو ایسے وقت اور حال میں چندہ دینا اور شریک ہونا جائز نہیں ہے، اگرچہ ان کی نیت تعظیم کی نہ ہو۔"[16]

یہاں سدّ الذرائع کے تحت کفریہ شعائر میں شرکت سے منع کیا گیا ہے، خواہ نیت اچھی ہو۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ

"عقائد کے باب میں وہ الفاظ و عبارات بھی حرام قرار پاتے ہیں جو اگرچہ خواص کے نزدیک معنیٰ صحیح پر محمول ہو سکتے ہوں، مگر عوامِ مسلمین کے اذہان میں حلول و اتحاد یا غیر خدا کی الوہیت کا وہم پیدا کریں۔"[17]

یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہے کہ ایسے الفاظ سے بچنا چاہیے جو عوام میں شرک کا وہم پیدا کریں، خواہ اہلِ علم ان کے صحیح معنی جانتے ہوں۔ عقائد کے باب میں سدّ الذرائع کا اطلاق (اشتباہی الفاظ اور اعمال سے بچنا) دونوں فقہی روایات میں یکساں ہے۔

فتح الذرائع سے استدلال میں اشتراک

فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں فتح الذرائع کو سدّ الذرائع کے متوازن پہلو کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر وہ چیز جو مصلحت کے حصول کا ذریعہ ہو وہ مشروع ہے، بشرطیکہ وہ کسی نص یا اجماع کے خلاف نہ ہو۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے کہ

---

[15] فتاویٰ رضویہ، ج10، ص233

[16] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج18، ص367

[17] فتاویٰ رضویہ، ج15، ص215

"وہ امور جو تعلیمِ دین کی تحصیل میں معاون ہوں اور کسی نص کے خلاف نہ ہوں، ان کا اختیار کرنا جائز بلکہ مفید ہے۔"[18]

یہاں فتح الذرائع کے تحت جدید تعلیمی وسائل کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ امام احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ

"جو ذرائع دین کی ترویج، اصلاحِ عقائد اور اخلاقی فلاح میں معاون ہوں، ان کا اختیار کرنا مباح اور بعض اوقات مستحب ہے، بشرطیکہ اس سے کسی نصِ شرعی کا انکار یا مخالف نتیجہ نہ پیدا ہو۔"[19]

دونوں فتاویٰ جات میں یہ مشترک ہے کہ دینی مقاصد کے حصول کے لیے جدید ذرائع کا استعمال جائز ہے۔ دعوت و تعلیم کے میدان میں فتح الذرائع کا اطلاق دونوں فقہی روایات میں مشترک ہے۔

ثانوی مصادر سے استدلال کے اصولی مفترقات

برصغیر کی فقہی روایت میں مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے فتاویٰ رضویہ اور مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کو دو عظیم علمی سرمایوں کی حیثیت حاصل ہے۔ اگرچہ ان دونوں کے درمیان فروعی مسائل میں مشترکات پائے جاتے ہیں، لیکن ثانوی مصادر (استحسان، عرف، استصحاب، مصالح مرسلہ، سدّ و فتح الذرائع) سے استدلال کے اصولی طریقہ کار میں مفترقات بھی موجود ہیں۔ یہ مفترقات دراصل فقہِ حنفی کی مشترکہ اصولی وراثت ہیں۔

نصِ قطعی کی بالادستی کے اصول کی ترجیح میں افتراق

فقہ اسلامی میں ثانوی مصادر سے استدلال کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ کسی نصِ قطعی (قرآن یا حدیث متواتر) کے خلاف نہ ہوں۔ دونوں فقہی روایات اس اصول پر متفق ہیں کہ ثانوی مصادر محض نصوص کی تشریح، تطبیق اور تکمیل کے لیے ہیں، نہ کہ ان کی نفی یا تبدیلی کے لیے۔ تاہم اس اصول کے اطلاق میں بعض مفترقات پائے جاتے ہیں، خاص طور پر جب نصِ ظنی اور ثانوی ماخذ میں تعارض ہو۔ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی لکھتے ہیں کہ:

"قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ ہی اصل مدارِ احکام ہیں، انہی سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اور ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی درحقیقت انہی نصوص کے فہم و استنباط کا نتیجہ ہیں۔"[20]

اس عبارت میں دو بنیادی نکات ہیں:

- **اول:** قرآن و حدیث صحیحہ ہی احکام کے اصل ماخذ ہیں، ثانوی مصادر ان کے تابع ہیں۔
- **دوم:** ائمہ مجتہدین کے اقوال بھی خود مستقل حجت نہیں بلکہ انہی نصوص کے فہم کا نتیجہ ہیں۔ یہ اصول فتاویٰ دیوبند کے منہج کی بنیاد ہے۔

---

[18] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج8، ص145

[19] فتاویٰ رضویہ، ج23، ص412

[20] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ج1، ص12

اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فقہِ حنفی کی پیروی جامد تقلید نہیں بلکہ نصوص کی تعبیر و تطبیق کا نام ہے۔ کوئی بھی ثانوی ماخذ، خواہ وہ استحسان ہو یا مصلحت، اس وقت تک معتبر نہیں جب تک وہ نصوصِ قطعیہ کے خلاف نہ ہو۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

"جو امر بذاتِ خود مباح ہو، پھر اس کے ارتکاب سے حرام تک پہنچنے کا ذریعہ قائم ہو جائے یا فساد کا غالب ظن پیدا ہو، تو وہ شے حکمِ شرع میں مباح نہیں رہتی، اس لیے کہ شریعتِ مطہرہ کا مقصود مفاسد کا ازالہ و انسداد ہے، نہ یہ کہ ان کے اسباب کو باقی رکھا جائے۔ پس جو مباح، ذریعۂ مفسدہ بن جائے وہ بھی ممنوع ہو جاتا ہے، کہ الوسائل لھا أحکام المقاصد۔"[21]

اگرچہ یہ اقتباس سدّ الذرائع کے سلسلے میں ہے، لیکن اس میں موجود "شریعتِ مطہرہ کا مقصود" کا حوالہ دراصل نصوصِ قطعیہ کے مقاصد کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا احمد رضا خان بھی اس اصول پر قائم ہیں کہ شریعت کا مقصد نصوص کی روشنی میں طے ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک کوئی عمل اپنی اصل میں مباح ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ انجامِ کار حرام تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائے تو وہ ممنوع ہو جاتا ہے۔

فتاویٰ دیوبند میں نصِ قطعی کی بالادستی کو براہِ راست اور واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، جبکہ فتاویٰ رضویہ میں اسے مقاصدِ شریعت اور سدّ الذرائع کے تناظر میں بالواسطہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔

مقاصدِ شریعت کے تحفظ کے حصول میں افتراق

مقاصدِ شریعت (حفظ دین، نفس، عقل، نسل، مال) کا تحفظ ہر فقہی استدلال کا مقصد ہوتا ہے۔ دونوں فقہی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ ثانوی مصادر کا استعمال ہمیشہ انہی مقاصد کے تحفظ کے لیے ہو۔ تاہم ان مقاصد کی ترجیح میں متفرق پایا جاتا ہے: فتاویٰ دیوبند میں "حفظِ دین" اور "حفظِ نفس" کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ مفتی نظام الدین و دیگر لکھتے ہیں کہ:

"اعضائے انسانی کی خرید و فروخت یا بلا ضرورت ان کا نکالنا جائز نہیں، اس لیے کہ انسانی بدن کو شریعت میں حرمت حاصل ہے، البتہ اگر کسی کی جان بچانے کی ناگزیر صورت ہو اور دیگر شرائط پائی جائیں تو ضرورت کے درجے میں گنجائش دی جا سکتی ہے، مگر اس میں بھی احتیاط لازم ہے۔"[22]

اس عبارت میں دو مقاصد کے درمیان توازن کیا گیا ہے: "حفظِ نفس" (جان بچانا) اور "حرمتِ بدن" (انسانی جسم کی عزت)۔ یہ دونوں مقاصد شریعت کے اہم ہیں۔ فتاویٰ دیوبند نے مصالح مرسلہ کے تحت ضرورت کی حد تک اجازت دی ہے، مگر ساتھ ہی احتیاط کو بھی لازم قرار دیا ہے۔ یہاں فتاویٰ دیوبند کا منہج واضح ہے کہ وہ

---

[21] فتاویٰ رضویہ، ج24، ص452

[22] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج15، ص143

مقاصدِ شریعت کو تنازع کی صورت میں ترجیح دیتے ہیں، مگر کسی بھی مقصد کو دوسرے پر مکمل طور پر مقدم نہیں کرتے۔ یہ توازن فقہی اعتدال کی عمدہ مثال ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

"شرعِ مطہر کا مقصود بندگانِ خدا کی مصلحتِ دینیہ و دنیویہ ہے، پس جو امر نظمِ عام، حفظِ دین یا دفعِ فساد میں معین ہو اور کسی نصِ خاص کے معارض نہ ہو، اس کا اختیار کرنا عینِ شرع اور ترکِ آں خلافِ حکمتِ شریعت ہے۔"[23]

اس عبارت میں مولانا احمد رضا خان نے مقاصدِ شریعت کو "نظمِ عام"، "حفظِ دین" اور "دفعِ فساد" میں سمیٹ دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ تینوں مقاصد شریعت کے اعلیٰ اہداف ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں مقاصدِ شریعت کو مزید تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، خاص طور پر "حفظِ عقیدہ" کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ ان کے نزدیک عقیدے کی حفاظت کے لیے بعض مباحات کو بھی ترک کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ میں سدّ الذرائع کا اصول زیادہ سختی کے ساتھ نافذ کیا گیا ہے۔

رفع حرج اور سہولت کے حصول میں افتراق

شریعت کا بنیادی مزاج آسانی اور سہولت ہے، اور ثانوی مصادر کا ایک اہم مقصد حرج اور مشقت کو دور کرنا ہے۔ دونوں فقہی روایات اس اصول پر متفق ہیں کہ جہاں قیاسِ ظاہر سے سخت حکم نکلتا ہو اور اس سے لوگوں کو مشقت لاحق ہو، وہاں استحسان، عرف یا مصلحت کے ذریعے سہولت والا راستہ اختیار کیا جائے۔ تاہم اس سہولت کی حدود میں متفرق پایا جاتا ہے: فتاویٰ دیوبند میں سہولت کو وسیع تر کیا گیا ہے، جبکہ فتاویٰ رضویہ میں سہولت کو سدّ الذرائع کے ساتھ متوازن رکھا گیا ہے۔ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی لکھتے ہیں کہ:

"بیعانہ اگر باہمی رضامندی سے دیا جائے اور اس میں کسی فریق پر ظلم یا غرر لازم نہ آئے تو اس کی اصل صحت میں کوئی مانع نہیں، کیونکہ عرفِ جاری اس کو معتبر سمجھتا ہے، اور شریعت نے عرفِ صحیح کو ملحوظ رکھا ہے۔"[24]

اس عبارت میں قیاسِ ظاہر کے مقابلے میں عرفِ صحیح کو ترجیح دے کر لوگوں کی سہولت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ قیاسِ ظاہر یہ تھا کہ عقد کی تکمیل سے پہلے دی گئی رقم واپس لی جا سکتی ہے، لیکن چونکہ عرفِ جاری بیعانہ کو لازم سمجھتا ہے اور اس میں ظلم یا غرر نہیں، اس لیے اسے جائز قرار دیا گیا۔ یہ فتاویٰ دیوبند کے اس منہج کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ عملی زندگی کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے عرف اور استحسان کو وسیع پیمانے پر استعمال کرتے ہیں، بشرطیکہ نص کے خلاف نہ ہو۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

---

[23] فتاویٰ رضویہ، ج20، ص145

[24] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج6، ص148

"بیمار کو جب قیام شاق ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ یہی اس کے حق میں شرعاً بہتر ہے، کہ شریعت نے حرج کے ازالہ کے لیے یہ آسانی مقرر فرمائی ہے۔"[25]

اس عبارت میں فتاویٰ رضویہ کا وہی اصول کار فرما ہے۔ قیاسِ ظاہر (کہ نماز میں قیام رکن ہے، اس لیے ہر حال میں کھڑے ہونا ضروری ہے) کو استحسان (رفعِ حرج) کے تحت ترک کیا گیا ہے۔ یہاں بھی سہولت اور رفعِ حرج کو مقدم رکھا گیا ہے۔ تاہم فتاویٰ رضویہ میں سہولت کی یہ گنجائش صرف اسی حد تک ہے جہاں سدّ الذرائع کے تحت کوئی دینی یا اخلاقی خطرہ نہ ہو۔ فتاویٰ دیوبند کے مقابلے میں فتاویٰ رضویہ میں سہولت کو بعض اوقات محدود کیا گیا ہے، خاص طور پر جہاں عقائد یا عبادات میں بدعت کا اندیشہ ہو۔

استحسان کی حقیقت اور حدود میں افتراق

استحسان قیاسِ ظاہر کو چھوڑ کر قوی تر دلیل کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے۔ دونوں فقہی روایات میں استحسان کی یہی تعریف قبول ہے۔ تاہم استحسان کے اطلاق کے دائرے میں متفرق پایا جاتا ہے: فتاویٰ دیوبند میں استحسان کو زیادہ وسیع پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے، خاص طور پر معاملات اور عرف کے باب میں، جبکہ فتاویٰ رضویہ میں استحسان کو زیادہ محتاط انداز میں صرف انہی جگہوں پر استعمال کیا گیا ہے جہاں نص یا اصولِ کلیہ کی صریح اجازت ہو۔

استحسان محض ذوقی یا شخصی رائے نہیں بلکہ قوی تر قیاس، نص یا ضرورت کی طرف رجوع کرنا ہے۔ فتاویٰ دیوبند میں اس تعریف کو عملی شکل دیتے ہوئے استحسان کو معاملاتِ معاشرت، تجارت اور عرف کے معاملات میں وسیع پیمانے پر استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً بیعانہ، اقساطی فروخت، اور جدید مالیاتی معاملات میں استحسان کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ ان کے نزدیک جہاں قیاسِ ظاہر سے عوام کو مشقت ہو، وہاں استحسان کے ذریعے سہولت کا راستہ اختیار کیا جائے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

"اگر قیاسِ ظاہر پر عمل کیا جائے تو بندگانِ خدا پر حرج لازم آئے اور معاملات میں فساد پیدا ہو، تو وہاں استحسان کو اختیار کرنا عینِ فقہ اور مقصودِ شریعت ہے، کہ شریعت مشقت کے لیے نہیں بلکہ سہولت کے لیے آئی ہے۔"[26]

اس عبارت میں بھی استحسان کی وہی تعریف اور شرط بیان کی گئی ہے۔ تاہم فتاویٰ رضویہ میں استحسان کا اطلاق صرف انہی جگہوں پر کیا گیا ہے جہاں اس کی شرعی دلیل واضح ہو۔ مثلاً بیمار کی نماز، سفر میں قصر، اور شدید بارش میں جماعت کی رخصت جیسی مثالیں استحسان کی ہیں۔ لیکن فتاویٰ رضویہ میں معاملاتِ تجارت میں استحسان کو زیادہ محتاط طریقے سے استعمال کیا گیا ہے، اور جہاں سود، غرر یا دھوکے کا خطرہ ہو، وہاں استحسان کے بجائے قیاس کو ترجیح دی گئی ہے۔ یہی متفرق ان دونوں فقہی روایات کے درمیان نمایاں ہے۔

عرف وعادت کی حجیت اور حدود میں افتراق

[25] فتاویٰ رضویہ، ج7، ص85

[26] فتاویٰ رضویہ، ج17، ص289

عرف وعادت کو فقہی استدلال میں ایک معاون اصول کی حیثیت حاصل ہے۔ دونوں فقہی روایات اس بات پر متفق ہیں کہ عرف اس وقت معتبر ہے جب وہ نص کے خلاف نہ ہو۔ تاہم عرف کی تشریح اور اس کے اطلاق کے دائرے میں متفرق پایا جاتا ہے۔ فتاویٰ دیوبند میں عرف کو زیادہ وسیع اور لچک دار بنایا گیا ہے، جبکہ فتاویٰ رضویہ میں عرف کو زیادہ پابند اور محدود رکھا گیا ہے، خاص طور پر جہاں عقائد یا عبادات کا تعلق ہو۔

نکاح، مہر، طلاق کے کنائی الفاظ، تجارتی معاملات اور فوٹو کاپی جیسے جدید مسائل میں عرف کو بطور معاون دلیل استعمال کیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک جہاں نص خاموش ہو، وہاں عرف فیصلہ کن ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ دیوبند میں عرف کو بہت اہمیت دی گئی ہے، اور اسے "محکم" (حاکم) کا درجہ دیا گیا ہے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

> "عرفِ صحیح جس پر اہلِ بلد کا عام تعامل ہو، اور جو نصِ شرع کے مخالف نہ ہو، احکامِ شرعیہ کے فہم و نفاذ میں معتبر ہے، کہ شریعت لوگوں کے احوال اور عاداتِ جاریہ سے بے تعلق نہیں۔"[27]

اس عبارت میں بھی عرف کی وہی شرط (عدمِ معارضتِ نص) بیان کی گئی ہے۔ تاہم فتاویٰ رضویہ میں عرف کو صرف اسی حد تک معتبر سمجھا گیا ہے جہاں وہ محض عادت ہو، قانونی حیثیت نہ رکھتی ہو۔ نیز جہاں معاملہ عقائد، عبادات، میراث، مہر، یا جہیز کا ہو، وہاں عرف کو بالکل دخل نہیں دیا گیا۔

سدّ الذرائع کی شدت اور حدود میں افتراق

سدّ الذرائع کا اصول فساد کے راستے بند کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دونوں فقہی روایات اس اصول کو تسلیم کرتی ہیں، تاہم اس کی شدت اور حدود میں واضح مفترق پایا جاتا ہے۔ فتاویٰ دیوبند میں سدّ الذرائع کو معتدل اور متوازن انداز میں استعمال کیا گیا ہے، جبکہ فتاویٰ رضویہ میں اسے زیادہ سخت اور وسیع پیمانے پر نافذ کیا گیا ہے، خاص طور پر عقائد اور عبادات کے باب میں۔ یہی وجہ ہے کہ فتاویٰ رضویہ میں بدعات اور مشتبہ امور کے خلاف زیادہ سختی پائی جاتی ہے۔

فتاویٰ دیوبند میں اس اصول کو معتدل اور متوازن انداز میں نافذ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سودی رقم کو صدقہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں ثواب کی نیت نہ ہو تاکہ سود کے بارے میں تقدس کا تصور نہ پیدا ہو۔ اسی طرح فتنہ کے اندیشے پر بعض مباحات کو محدود کیا گیا ہے، لیکن ہر مباح کو بلاوجہ حرام قرار نہیں دیا گیا۔ فتاویٰ دیوبند کا منہج سدّ الذرائع کو صرف اسی حد تک استعمال کرنا ہے جہاں فساد کا غالب اندیشہ ہو۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

> "جائز وہی ہے جو انجام کے اعتبار سے بھی جائز ہو، اور جس امر مباح سے ناجائز کا دروازہ کھلتا ہو وہ حقیقتِ شرعی میں جائز نہیں، کہ جو چیز حرام تک پہنچانے والی ہو وہ خود حکمِ حرام میں داخل ہو جاتی ہے، اور شریعتِ مطہرہ کا طریقہ یہی ہے کہ وہ مفاسد کے اسباب کو ابتدا ہی میں مسدود فرما دیتی ہے۔"[28]

---

[27] فتاویٰ رضویہ، ج18، ص372

[28] فتاویٰ رضویہ، ج21، ص311

اس عبارت میں مولانا احمد رضا خان نے سدّ الذرائع کو زیادہ سخت اور وسیع پیمانے پر نافذ کیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی مباح عمل انجامِ کار ناجائز تک پہنچتا ہو تو وہ حقیقتِ شرعی میں جائز نہیں رہتا۔

فتح الذرائع کی وسعت کے اطلاق میں افتراق

فتح الذرائع خیر اور مصلحت کے راستے کھولنے کا نام ہے۔ دونوں فقہی روایات اس اصول کو تسلیم کرتی ہیں، تاہم اس کے اطلاق میں متفرق پایا جاتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں فتح الذرائع کو وسیع تر استعمال کیا گیا ہے، خاص طور پر جدید تعلیمی، تبلیغی اور مالی وسائل کے باب میں۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں بھی فتح الذرائع کو قبول کیا گیا ہے، لیکن اسے سدّ الذرائع کے ساتھ زیادہ متوازن رکھا گیا ہے، اور ہر نئے ذریعے کو قبول کرنے سے پہلے اس کے ممکنہ منفی اثرات کو بھی دیکھا جاتا ہے۔

فتاویٰ دیوبند نے اس اصول کو وسیع پیمانے پر نافذ کیا ہے۔ مثال کے طور پر لاؤڈ اسپیکر، جدید تعلیمی وسائل، طباعت، اور دینی اداروں کے انتظامی قواعد کو اسی اصول کے تحت جائز قرار دیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی ذریعہ کسی نص کے خلاف نہ ہو اور دینی مصلحت کے حصول میں معاون ہو، تو اسے اختیار کرنا جائز ہے۔ فتاوی رضویہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

> "جو ذرائع دین کی ترویج، اصلاحِ عقائد اور اخلاقی فلاح میں معاون ہوں، ان کا اختیار کرنا مباح اور بعض اوقات مستحب ہے، بشرطیکہ اس سے کسی نصِ شرعی کا انکار یا مخالف نتیجہ نہ پیدا ہو۔ طباعت، رسائل، تعلیم و تربیت کے جدید اسالیب سب اسی قاعدے میں داخل ہیں۔"[29]

اس عبارت میں فتح الذرائع کے اصول کو قبول کیا گیا ہے، اور طباعت، رسائل، جدید تعلیمی اسالیب کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ تاہم فتاویٰ رضویہ میں فتح الذرائع کو سدّ الذرائع کے ساتھ زیادہ متوازن رکھا گیا ہے۔

مصالح مرسلہ میں اجتماعی مفاد کی ترجیح میں افتراق

مصالح مرسلہ کا اصول اجتماعی مفاد اور عوامی فلاح کے تحفظ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دونوں فقہی روایات اس اصول کو تسلیم کرتی ہیں، تاہم اجتماعی مفاد کی تشریح اور اس کی ترجیح میں متفرق پایا جاتا ہے۔ فتاویٰ دیوبند میں اجتماعی مفاد کو وسیع تر معنی میں لیا گیا ہے، اور اسے انفرادی مفاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں بھی اجتماعی مفاد کو اہمیت دی گئی ہے، لیکن اسے انفرادی حقوق اور عقائد کے تحفظ کے ساتھ متوازن رکھا گیا ہے۔ مفتی حبیب الرحمن اعظمی لکھتے ہیں کہ:

> "مدارس اور دینی اداروں میں انتظامی ضوابط کا قیام اور بعض ایسے قواعد کا نفاذ جو نصوص میں منصوص نہیں، اگر وہ نظمِ عامہ اور مصلحتِ تعلیم کے لیے ہوں اور کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہوں تو ان کا التزام ضروری ہے۔"[30]

---

[29] فتاویٰ رضویہ، ج23، ص412

[30] فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج6، ص78

اس عبارت میں مصالح مرسلہ کے تحت اجتماعی مفاد (نظمِ عامہ اور مصلحتِ تعلیم) کو انفرادی مفاد پر ترجیح دی گئی ہے۔ فتاویٰ دیوبند کے نزدیک اگر کوئی انتظامی ضابطہ نص کے خلاف نہ ہو اور اجتماعی مفاد کے لیے ضروری ہو، تو اس کا التزام ضروری ہے۔ یہی اصول جدید تعلیمی اداروں، ہسپتالوں، اور شہری نظاموں کے لیے بھی ہے۔ فتاویٰ دیوبند میں اجتماعی مفاد کو بہت اہمیت دی گئی ہے، اور اسے انفرادی مفاد پر ترجیح دی گئی ہے، بشرطیکہ نص کی خلاف ورزی نہ ہو۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

"مریض اگر روزہ رکھنا اُس کی صحت کے لیے مضر ہو، تو اسے افطار کرنا جائز و مستحب ہے، اور بعد میں قضا کرنا فرض ہے، کہ یہ شریعت کی مصلحت اور انسانی حفاظت کے مطابق ہے۔"[31]

اس عبارت میں مصالح مرسلہ کے تحت انفرادی مفاد (حفظِ صحت) کو مقدم رکھا گیا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں اجتماعی مفاد کو بھی اہمیت دی گئی ہے، لیکن اسے انفرادی حقوق اور عقائد کے تحفظ کے ساتھ متوازن رکھا گیا ہے۔ ان کے نزدیک مصلحت کا اطلاق اجتماعی سطح پر بھی ہوتا ہے، لیکن اسے کبھی بھی نص کے خلاف یا انفرادی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ فتاویٰ دیوبند کے مقابلے میں فتاویٰ رضویہ میں مصالح مرسلہ کو زیادہ محتاط اور متوازن انداز میں استعمال کیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام

فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ثانوی مصادر سے استدلال کے اصولی مشترکات فروعی مفترقات سے کہیں زیادہ گہرے اور وسیع ہیں۔ دونوں فقہی روایات کا تعلق فقہِ حنفی کی ایک ہی شاخ سے ہے، اور ان کے درمیان اختلافات کو رحمت اور علمی تنوع کے طور پر سمجھا جانا چاہیے۔ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا احمد رضا خان بریلویؒ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ:

- نصِ قطعی ہر ثانوی ماخذ پر مقدم ہے۔
- مقاصدِ شریعت کا تحفظ اولین ترجیح ہے۔
- رفعِ حرج اور سہولت شریعت کا بنیادی مزاج ہے۔
- ثانوی مصادر کا استعمال ہمیشہ نصوص کے تابع ہوگا۔

یہ اصولی مشترکات دونوں فقہی روایات کو ایک مشترکہ فکری بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ ان مشترکات کی روشنی میں، دونوں مکاتب فکر کے درمیان علمی مکالمہ اور باہمی احترام ممکن ہے۔ یہ مشترکات اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ دونوں فقہی روایات میں سے کوئی بھی نصِ قطعی سے انحراف نہیں کرتا، اور نہ ہی کوئی ثانوی ماخذ کو نص پر مقدم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان اختلافات فروعی ہیں، بنیادی نہیں۔ اس قاعدے کے تحت فروعی مفترقات (جیسے عرف کی تشریح میں

[31] فتاویٰ رضویہ، ج10، ص233

وقعت کا فرق، سدّ الذرائع میں شدت کا درجہ، قولِ صحابی کی حجیت میں وسعت وضبط) کو علمی تنوع اور رحمت سمجھا جانا چاہیے۔ یہ مفترقات دراصل فقہی نظام کی وسعت اور لچک کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان مفترقات کو ایک دوسرے کی نفی میں استعمال کرنے کے بجائے، انہیں مختلف حالات، زمانوں اور معاشروں میں فقہی استدلال کے مختلف طریقوں کے طور پر دیکھا جانا چاہیے تاکہ دونوں مکاتب فکر میں ہم آہنگی کا پیدا ہو۔